نقش آغاز: ﷺ راشد الحق سمیع حقانی

حضرت مولانا محمد ابراہیم فانیؒ کی المناک جدائی

ایک مشفق استاد، محسن مربی، مہربان دوست، منفرد تالیق، ہماری بزم الحق کے سب سے روشن چراغ، گلشن حقانیہ کی شمع فروزاں، دیرینہ ساتھی، ہم مزاج، ہم مذاق، ہم راز، ہمدرد، زندہ دل، خوش ذوق، خوش خلق، خوش مزاج، سخن فہم، سخن سنج، مردِ خلیق، مردِ قلندر، مجسمہ علم و دانش، حکیم فرزانہ، شاعر دانہ، علم وادب کے ہمالیہ، عشق ومحبت کے بحرِ بیکراں، صبر وقناعت کی منفرد مثال، مادیت کے دور میں زندہ رہتے ہوئے تصورِ فنا وفنائیت کی زندہ جاوید مثال اور سب سے بڑھ کر ایثار وخلوص کی تصویر جیسی تمام صفات ومناقب کی متصف شخصیت کا اچانک بچھڑ جانا اور ہمیشہ کیلئے جدا ہوجانے کے غم کی شدت کا بیان میرے جیسے حساس شکستہ دل انسان کے قلم سے یقیناً باہر ہے۔حضرت فانی صاحب کو ہم سے جدا ہوئے تقریباً دو ماہ ہونے کو ہیں لیکن ابھی تک معذور قلم، ماؤف دماغ اور منتشر حواس اس تلخ حقیقت کو تسلیم نہیں کررہے اور خود کو دشتِ غم، کربلائے درد اور صحرائے وحشت میں حزیں وحیراں پارہا ہوں تب ہی تو اِن پر کچھ تعزیتی کلمات لکھنا کوہ گراں لگ رہا ہے۔

؎ تھی وہ اک شخص کے تصور سے وہ اب رعنائی خیال کہاں

استادِ محترم حضرت فانی صاحب کا سانحہ ارتحال دراصل یہ راقم کا اپنا ذاتی صدمہ ہے اور جو خود سراپا درد والم کا پیکر ہو وہ تصویرِ درد اور تعزیتی شذرہ میں کیا رنگ بھرے گا۔ ع ہو بہو کھینچے گا ''اب تو درد'' کی تصویر کون؟

یوں تو زندگی میں پے درپے حوادثاتِ زمانے کا جامِ تلخ ہر گام پینا پڑا ہے اور قدم قدم پر دشتِ زیست کے کانٹوں سے پاؤں زخمی اور دامنِ صبر چھلنی ہوتا رہا ہے۔زیست کے ستم ہائے بے حساب اور سانحات بے کراں سے اپنا رشتہ بڑا گہرا چلا آرہا ہے لیکن ۲۰۰۴ء میں جب اپنے مٹھی بھر ناتواں وجود کو حضرت والدہ ماجدہؒ کی وفات کے حادثہ نے ریزہ ریزہ کرکے کمزور کردیا تھا اور عرصہ دراز تک فکر وخیال کے درودیوار پر غم واندوہ کے تالے پڑے رہے اور ذہن وقلب پر اس حادثے کا ایک خاص اثر ایک دہائی کے بعد بھی قائم ہے۔پھر اِس کے بعد درجنوں افسوسناک واقعات اور غم واندوہ کی آندھیوں سے مسلسل سامنا کرنا پڑا ہے لیکن حضرت فانی صاحبؒ کی یکا یک جدائی سے اب یوں لگتا ہے کہ اپنے لُٹے پُٹے شکستہ وجود کے گھروندے کو یہ نئی آندھی مکمل طور پر ہواؤں میں بکھیر گئی ہے تبھی تو فگار آلودہ انگلیاں اور سوکھا قلم کچھ لکھنے پر آمادہ نہیں ہورہا۔اور پھر زخمی دل اور

مجروح قلم سے کہاں نوحے پھوٹتے ہیں؟

قلم بشکن ، سیاہی ریز ، کاغذ سوز ، دم درکش
حمیدؔ ایں قصۂ عشق ست در دفتر نمی گنجد

حضرت فانی صاحب کی یاد میں ''الحق'' کی خصوصی اشاعت پریس میں جانے کیلئے تیار ہے لیکن اُبلتے ہوئے خون کے آنسوؤں کی شدت کے باعث ایک ایک حرف لکھنا میرے لئے جوئے شیر لانے کے مترادف ہو رہا ہے۔دو ماہ میں کئی بار لکھنے کی ناکام کوشش کی لیکن ہر بار اپنے ہی آنسوؤں اور جذبات کا سمندر مجھے بہا کر کہاں سے کہاں پہنچا دیتا ہے۔حضرت فانی صاحبؒ جیسی باغ و بہار شخصیت بلکہ یوں کہیے کہ سراپا زندہ دلی و زندگی کی علامت کو کیسے موت کی اندھی وادیوں کا مسافر قرار دوں؟ ۔ یہ میری بدقسمتی ہے یا حساسیت اور جنوں کی انتہا کہ اپنے اُس استاد اور مشفق ہستی پر چند صفحات بھی سلیقے کے نہ لکھ سکا ،جس شخصیت نے مجھ جیسے ادنیٰ طالبعلم کو قلم کی حلاوت سے روشناس کرایا تھا۔جن کی فیضانِ نظر نے مجھ سے طفلِ مکتب کو شعروادب اور علم وصحافت کے آداب سکھائے تھے۔میرے جیسے ناکارہ درجہ سادسہ کے طالبعلم وصاحبزادہ کیلئے ماہنامہ ''الحق'' جیسے بڑے علمی ادبی مجلّے کی ادارت سترہ برس قبل سنبھالنا ناممکن تھا لیکن حضرت فانی صاحبؒ ہمیشہ ہمت ، داد، مفید مشوروں سے مجھ پر شفقت فرماتے رہے بلکہ یوں کہیے کہ زندگی کے کئی نشیب و فراز میں بھی مجھے اس طرح سہارا دیتے رہے جیسے بڑے چھوٹے بچوں کو گرنے اور ٹھوکر کھانے سے بچاتے رہتے ہیں۔یوں فانی صاحب ایک بہترین اور مشفق استاد ہونے کے ساتھ ساتھ میرے بے تکلف دوست اور بھائی بھی تھے۔ایسے رفیقِ سفر کی المناک جدائی نے یادوں کے حسین گلشن کو اُجاڑ دیا ہے۔گوکہ آپ کی یادوں ،باتوں اور علمی نکات کی بارش اور آبشار مسلسل دل و دماغ اور آنکھ کے پردے پر برس رہی ہے لیکن اِن کو صفحہ قرطاس پر لانا ناممکن ہو رہا ہے۔بہرحال حضرت فانی صاحبؒ دارالعلوم حقانیہ اور ادارہ ''الحق'' کا ایک بہت بڑا نادر اثاثہ تھا۔عرصہ دراز سے شوگر کے مرض میں مبتلا تھے،لیکن معمولات زندگی رواں دواں تھی ،درس وتدریس ،نمازوں کیلئے آمدورفت اور علمی ، ادبی اور شعری محفلوں کو سجانے والی تمام مصروفیات جاری وساری تھیں،کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ یوں اچانک بادِفنا فانی صاحبؒ کو دارِ بقا کی جانب ہم سے چھین کر یکا یک لے جائی گی۔ میں ربیع الاول میں حرمین شریفین کے سفر پر تھا جب افسوسناک اطلاع ملی کہ حضرت فانی صاحب پشاور کے ہسپتال میں داخل کرادیئے گئے ہیں۔اطلاع مل کر بے چینی بڑھ گئی اور جلد سے جلد پہنچنے کی سعی شروع کی۔ جب ہسپتال پہنچا تو فانی صاحب نے غنودگی اور آہ و زاری میں میرا استقبال کیا اور فرمایا کہ اتنے دن سے تمہارا انتظار کر رہا تھا' کہاں رہ گئے تھے؟ اور مسلسل روتے ہوئے دردناک وصیتی کلمات فرماتے رہے کہ یہ وصیت میں نے تمہارے

لئے سینے میں محفوظ رکھی تھی۔ خود بھی حساس دل شاعر زاروقطار روتے رہے اور مجھے بھی رُلاتے رہے۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ حضرت فانی صاحب جیسے شائستہ و خوبصورت اور ہنسے ہنسانے والا ہمدرد ہنس مکھ انسان بیماری کے باعث زندگی کے کس کٹھن واذیت ناک دور سے گزر رہا ہے' ہر چند میں نے کوشش کی کہ موضوع کا رُخ موڑ لوں لیکن فانی صاحب اس اہم اور سنجیدہ موضوع سے ہٹنے کا نام نہیں لے رہے تھے' پھر بعد میں بھی بار بار عیادت کے سلسلے میں حاضر ہوتا رہا۔لیکن ماشاء اللہ بسترِ مرگ پر پڑے رہنے کے باوجود علمی نکات، شعروادب ،تصنیف وتالیف کا جذب حیرت انگیز طور پر مزید ابھر گیا تھا۔حضرت والد صاحب مدظلہ اور راقم نے ڈاکٹروں سے طویل مشاورت کی کہ آپریشن یا دوسرے متبادل ذرائع علاج کیلئے اختیار کئے جائیں لیکن ڈاکٹروں نے ہمیں تقریباً مایوس کرکے کہا کہ حضرت فانی صاحب کی حالت انتہائی خطرے سے دوچار ہوگئی ہے اور اب اس صورتحال میں مزید کچھ بھی نہیں کیا جاسکتا صرف فانی صاحب کے لئے دعاؤں کی ضرورت ہے۔ حضرتِ انسان بھی کتنا کمزور ہے کہ اسباب، وسائل کی موجودگی اور ہر طرح کی سہولیات کے باوجود قدرت کے نظام کے سامنے بلآخر مجبور محض بن جاتا ہے اور کچھ بھی نہیں کرسکتا' یہی حال ہمارا تھا۔ دراصل اگر ساٹھ برس کی عمر میں دونوں گردے مکمل ناکارہ ہوجائیں تو پھر آپریشن وغیرہ ناممکن ہوجاتا ہے۔بہرحال اپنے محبوب استادِ محترم ہماری آنکھوں کے سامنے روز بروز برف کی سِل کی طرح پگھل رہے تھے لیکن ہمارے ہاتھ بندھے ہوئے تھے،آخری روز بھی بروز ۲۶ فروری ۲۰۱۴ء کو میں ان کے ساتھ ہسپتال میں موجود تھا' ان کا آخری ڈائیلاسز ہورہا تھا میں نے سلام کیا، آپ نے نہایت ہی کرب میں گفتگو کی کوشش کی لیکن نقاہت وتکلیف کے باعث کچھ سمجھ نہیں آئی۔لیکن کچھ دیر بعد ایاك نعبدو و ایاك نستعین و دیگر قرآنی آیات کی تلاوت ہم سب نے غور سے سنیں۔اسی طرح کلمہ طیبہ بھی بار بار پڑھتے رہے۔آپ کو شام کے وقت آئی سی یو منتقل کیا گیا، اِسی غنودگی میں آدھی رات آپ کی طبیعت مزید بگڑ گئی اور یوں ایک بیمارِ محبت کی منزل مقصود بلآخر آ ہی گئی اور عمر بھر کے سوز وسازِ رومی اور پیچ وتابِ رازی کے امین اور عاشق رسول ﷺ کی بیقراری کو قرار آ ہی گیا۔

؎ جان ہی دے دی آج کوئے یار پر عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

علی الصباح چار بجے برادرم مولانا اسرار نے گھر کی گھنٹی بجائی اور پیغام بھیجا کہ آپ کے دوست حضرت فانی صاحب اس جہان فانی سے دارالبقاء کی جانب کوچ کرگئے ہیں۔انا للہ وانا الیہ راجعون

روایات میں آتا ہے کہ اکثر حوادث ،مصیبتیں اور قیامتیں رات کے آخری پہر میں نازل ہوتی ہیں' یقیناً اس سے بڑھ کر میرے لئے اور کیا حادثہ اور کیا قیامت صغریٰ بپا ہوگی ؟ صبح نماز کے بعد برادرم مولانا یوسف شاہ صاحب نے ہزاروں طلباء کو یہ افسوسناک اطلاع دی کہ آپ سب کے محبوب ہردلعزیز استادمحترم

جناب محمد ابراہیم فانی صاحب انتقال فرما گئے ہیں۔خبر سن کر دارالعلوم کی وسیع وعریض مسجد میں ہزاروں طلباء کی آہوں اور سسکیوں سے ساری فضا غمناک ہوگئی۔گیارہ بجے دارالعلوم میں ہزاروں علماء ،طلباء، فضلاء، سیاسی زعما کا ایک جم غفیر جمع ہوگیا تھا۔پرانے دارالحدیث میں آپ کی لاش مبارک زیارت کے لئے رکھی ہوئی تھی۔ اور ہر کوئی اپنے محبوب استاد کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے دیوانہ وار آرہا تھا۔نماز جنازہ حضرت والد مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کے سفر عمرہ کی بناء پر نائب مہتمم شیخ الحدیث حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ نے پڑھایا۔جنازہ کے بعد ایمبولینس میں آپ کی میت رکھی گئی۔اور یوں اُس دارالعلوم سے آپ کی جدائی کا سفر شروع ہوگیا جس درودیوار میں آپ نے تقریباً پینتالیس برس زندگی کے بتائے۔گوکہ آپ کا تعلق زروبی ضلع صوابی سے تھا لیکن اکوڑہ خٹک اور خصوصاً دارالعلوم حقانیہ سے آپ کو اس قدر عشق ومحبت تھی کہ سالانہ چھٹیوں میں بھی کچھ دن گزار کر فوراً واپس اکوڑہ چلے آتے۔بہرحال ایمبولینس کے ساتھ ہزاروں طلبا اور آپ کے عشاق آخر تک دوڑتے رہے، اورانہیں خدا حافظ کہتے رہے۔

؎ دونوں جہاں تیری محبت میں ہار کے وہ جارہا ہے کوئی شب غم گزار کے

اور ع آں قدح بشکست وآں ساقی نہ ماند شام ۴ بجے آپ کے گاؤں زروبی میں دوسرا جنازہ تیار تھا۔اس میں بھی علاقہ بھر کے ہزاروں افراد اور علماء ومشائخ نے شرکت کی۔آپ کے دیرینہ رفیق خاص مولانا فضل علی حقانی (سابق وزیر تعلیم کے پی کے) نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ برادرم مولانا حامد الحق حقانی صاحب، مولانا یوسف شاہ صاحب، مولانا ذاکر حسن نعمانی صاحب و دیگر علماء مشائخ نے اس موقع پر تعزیتی تقاریر کیں اور یوں شام کے وقت علم وفضل اور شعر وادب کے آفتاب کو آہ وسسکیوں اور کلمہ طیبہ و درود شریف کے زمزموں، قرآنی آیات کی تلاوت کیساتھ دفن کردیا گیا۔

الغرض شاندار خدمات اور کامیابیوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ اب ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا۔ لیکن ہمیں خداوند رحمٰن ورحیم سے قوی امید ہے کہ ان شاء اللہ برزخی زندگی میں بھی اس عاشقِ رسولؐ اور علم و فضل اور اسلام کے محبِّ صادق کی نہ ختم ہونے والی اَبدی کامیابیوں اور کامرانیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا ہوگا اور اس اُجڑی اور فانی دنیا کا یہ بلبلِ ہزار داستاں وہاں کے بہشتی گلستانوں میں سرورِ کائناتؐ کی مدح سرائی اور نعت گوئی میں مصروف ہوگا۔اے شاعر اسلام! اور خلدِ بریں کے مسافر، مردم خیز سرزمین اکوڑہ و زروبی تجھے سلام کہتی ہے۔خوشحال خان خٹک کی وادی اکوڑہ اور جامعہ حقانیہ کی تاریخ ہمیشہ تجھ پر ناز کرے گی۔

؎ جان کر منجملہء خاصانِ میخانہ مجھے مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

؎ اب کاوش محروم تجھے ڈھونڈ رہی ہے اک تو ہی تو سرمایہ خونیں جگراں تھا

؎ گل ہوئی شمعِ شبستاں چاند تارے سو گئے موت کے پہلو میں شام غم کے مارے سوگئے

جن کے دم سے بزم ساغر تھی حریف کہکشاں اے شب ہجراں کہاں وہ ماہ پارے سوگئے